ہیں جس سے تقاضا کرنا پڑے۔ آج یہ چھ سو روپے جمع کرلو اور ایک جوڑا اچھا کنگن تیار کر دو۔''

گنگو نے روپے لے کر صندوق میں رکھے اور بولا۔ ''بن جائیں گے تو باقی روپے کب ملیں گے؟''

رما: ''بہت بہت جلد۔''

گنگو: ''ہاں بابو جی، پچھلا حساب صاف کر دیجیے۔''

گنگو نے وعدہ تو کر لیا لیکن ایک بار دھوکہ کھا چکا تھا۔ دوبارہ کسی علت میں پھنستے ہوئے ڈرتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ رما روز تقاضا کرتا اور گنگو روز حیلے کر کے ٹالتا۔ کبھی اس کا کاریگر بیمار پڑ جاتا۔ کبھی اس کے لڑکے بیمار پڑ جاتے۔ ایک مہینہ گزر گیا اور کنگن نہ بنے۔ اس کے تقاضوں کے ڈر سے رما نے پارک میں جانا چھوڑ دیا۔ مگر رتن نے گھر تو دیکھ ہی لیا تھا۔ اس ایک مہینے میں کئی بار تقاضا کرنے آئی۔ آخر جب ساون کا مہینہ آ گیا تو اس نے ایک دن رما سے کہا۔ ''جب وہ بدمعاش نہیں بنا کر دیتا تو تم کسی دوسرے کاریگر کو کیوں نہیں دیتے؟''

رما نے کہا۔ ''اس پاجی نے ایسا دھوکا دیا کہ کچھ نہ پوچھئے اور آج کل کیا کرتا ہے۔ میں نے بڑی غلطی کی جو اسے پیشگی روپے دے دیئے۔''

رتن: ''آپ مجھے اس کی دکان دکھا دیجیے۔ میں اس کے باپ سے وصول کر لوں گی۔ ایسے بے ایمان آدمی کو پولیس میں دینا چاہیے۔''

جالپا نے تائید کی۔ ''ہاں اور کیا۔ حیلے حوالے تو سبھی کرتے ہیں مگر ایسا نہیں کہ روپے ڈکار جائیں اور چیز کے لیے مہینوں دوڑائیں۔''

رما نے سر کھجلاتے ہوئے کہا۔ ''آپ دس دن اور صبر کریں۔ میں آج ہی اس سے روپے لے کر کسی دوسرے صراف کو دے دوں گا۔''

رتن: ''آپ مجھے اس بدمعاش کی دکان کیوں نہیں دکھا دیتے۔ میں ہنٹر سے بات کروں گی۔''

رما: ''کہتا تو ہوں، دس دن کے اندر آپ کو کنگن مل جائیں گے۔''

رتن: ''آپ خود ہی ڈھیلے آدمی ہیں۔ اس کے جھانسوں میں آ جاتے ہیں۔ آپ ایک بار سخت پڑ جاتے تو مجال تھی یوں حیلے حوالے کرتا۔''

آج رتن بڑی مشکل سے رخصت ہوئی، مگر گنگو نے صاف جواب دے دیا۔ جب تک آدھے روپے پیشگی نہ مل جائیں، کنگن نہیں بن سکتے اور پچھلے حساب کا بیباق ہونا لازمی تھا۔

رما کو جیسے گولی لگ گئی۔ بولا۔ ''مہاراج یہ تو شرافت نہیں ہے۔ یہ میرے ایک دوست کی فرمائش ہے۔ میں نے ان سے دس دن کا وعدہ کیا تھا۔ سوچو میں انہیں کیا منہ دکھاؤں گا۔ مجھ سے پرونوٹ لکھا لو، اسٹامپ لکھا لو اور کیا کرو گے؟''

گنگو: ''پرونوٹ کو شہد لگا کر چاٹوں گا؟ آٹھ آٹھ مہینے کا ادھار نہیں ہوتا۔ آپ تو بڑے آدمی ہیں۔ آپ کے لیے پانچ چھ سو روپے کون سی بڑی بات ہے۔ روپے لائیے کنگن لے جائیے۔''

رما نے دانت پیس کر کہا۔ ''اگر یہ بات تھی تو تم نے ایک مہینہ پہلے ہی کیوں نہ کہہ دیا؟''

گنگو: ''میں کیا جانتا تھا، آپ اتنا بھی نہیں سمجھ رہے ہیں۔'' رما مایوس ہو کر گھر

لوٹ آیا، مگر اس وقت بھی اس نے سارا قصہ جالپا سے صاف صاف کہہ دیا ہوتا تو اسے چاہے کتنا ہی صدمہ ہوتا، اپنے کنگن اس کے حوالے کر دیتی، لیکن رما اتنا صاف گو نہ تھا۔ اپنی مالی پریشانیوں کا ذکر کر کے وہ اسے تشویش میں نہ ڈالنا چاہتا تھا۔

اس میں شک نہیں کہ رما کو سو روپے اوپر سے مل جاتے تھے اور وہ کفایت کرنا چاہتا تو ان آٹھ مہینوں میں دونوں صرافوں کے آدھے آدھے روپے ادا کر دیتا، لیکن اوپر کی آمدنی تھی تو اوپر کا خرچ بھی۔ کوڑیوں سے روپے بنانا بیوپاریوں کا کام ہے۔ بابو لوگ تو روپے کی کوڑیاں ہی بناتے ہیں۔

شام کو رما نے پھر ایک بار صرافے کا چکر لگایا۔ بہت چاہا کہ کسی صراف کو جھانسا دوں مگر کہیں دال نہ گلی۔ بازار میں تار کی خبریں چلا کرتی ہیں۔

رما کو رات بھر نیند نہ آئی۔ اگر آج کوئی مہاجن ایک ہزار کا اسٹامپ لکھا کر اسے پانچ سو روپے دے دیتا تو وہ اپنے کو خوش نصیب سمجھتا، مگر ایسے کسی مہاجن سے اس کا لین دین نہ تھا۔ اپنے ملنے والوں میں اس نے سبھی سے ہوا باندھ رکھی تھی۔ ان کی تواضع اور تکریم میں بے دریغ روپیہ خرچ کرتا تھا۔ اب کس منہ سے اپنی داستان غم کہے۔ وہ پچھتا رہا تھا کہ ناحق گنگو کو روپے دیے۔ گنگو نالش کرنے تو جاتا نہ تھا۔ اس وقت اگر رما کو کوئی عارضہ ہو جاتا تو وہ اس کا خیر مقدم کرتا۔ کم سے کم دس پانچ دن کی مہلت تو مل جاتی۔

مگر بلا نے سے موت بھی نہیں آتی۔ وہ تو اسی وقت آتی ہے جب ہم اس کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ ایسا کوئی دوست بھی نظر نہیں آتا تھا، جو اس کے نام فرضی تار

بھیج دے اور وہ یہاں سے کچھ دنوں کے لیے چلا جائے۔

وہ انہی تردّدات میں کروٹیں بدل رہا تھا کہ جالپا کی آنکھ کھل گئی۔ رما نے فوراً چادر تان لی۔ گویا بے خبر سو رہا ہے۔

جالپا نے چادر آہستہ سے اٹھا کر اس کا منہ دیکھا۔ نیند اور بیداری کا فرق اس سے چھپا نہ رہا۔ اسے ہلا کر بولی:

''کیا ابھی تک جاگ رہے ہو؟''

رما نیند کا بہانہ نہ کر سکا۔ ''نہ جانے نیند کیوں نہیں آ رہی ہے۔ پڑے پڑے سوچتا تھا، کچھ دنوں کے لیے کہیں باہر چلا جاؤں اور کچھ روپے کما لاؤں۔''

''مجھے بھی لیتے چلو گے نا؟''

''تمہیں پردیس میں کہاں کہاں لیے پھروں گا؟''

''تو میں اکیلی رہ چکی۔ ایک منٹ نہ رہوں گی، مگر جاؤ گے کہاں؟''

''ابھی کچھ فیصلہ نہیں کر سکا۔''

''تو سچ مچ تم مجھے چھوڑ کر چلے جاؤ گے؟ مجھ سے تو ایک دن نہ رہا جائے گا۔ میں سمجھ گئی، تمہیں مجھ سے محبت نہیں ہے۔''

''تمہاری محبت کی زنجیر ہی نے مجھے باندھ رکھا ہے۔ نہیں تو اب تک کبھی کا چلا گیا ہوتا۔''

''باتیں بنا رہے ہو۔ اگر تمہیں مجھ سے محبت ہوتی تو مجھ سے کوئی پردہ نہ رکھتے۔ تمہارے دل میں ضرور کوئی ایسی بات ہے، جو تم مجھ سے چھپا رہے ہو۔ میں تمہیں کئی دنوں سے ہر وقت متفکر دیکھتی ہوں۔ جہاں اعتبار نہیں ہے، وہاں

محبت کیسے رہ سکتی ہے؟''

''یہ تمہارا شبہ ہے جالپا۔ میں نے تو تم سے کبھی پردہ نہیں کیا۔''

''تو تم مجھے سچ مچ دل سے چاہتے ہو؟''

''یہ کیا، جب منہ سے کہوں گا، جب ہی۔''

''اچھا میں ایک سوال کرتی ہوں۔ تم مجھے کیوں چاہتے ہو؟ سچ بتانا؟''

''یہ تو بالکل مہمل سوال ہے۔ اگر میں تم سے یہی سوال پوچھتا تو تم کیا جواب دیتیں؟''

''میں تو بالکل جانتی ہوں۔''

''بتاؤ؟''

''پہلے تم بتلا دو۔''

''میں تو جانتا ہی نہیں۔ صرف اتنا جانتا ہوں کہ تم میرے وجود کے ایک ایک ذرے میں بسی ہوئی ہو۔''

''سوچ کر بتاؤ۔ میں اپنے عیبوں سے واقف ہوں۔ میں نے اب تک تمہاری کوئی خدمت نہیں کی۔ خوش قسمتی سے اب تک مجھے تمہارے لیے کوئی قربانی کی ضرورت نہیں پڑی۔ گھر کے کام دھندے مجھے آتے نہیں، جو کچھ سیکھا یہاں سیکھا۔ بات چیت کرنے کا مجھے سلیقہ نہیں۔ اتنی حسین بھی نہیں ہوں۔ پھر تمہیں مجھ سے کیوں محبت ہے؟''

رمانے سر کھجلاتے ہوئے کہا:

''میں کچھ نہیں جانتا۔ ایمان سے کہتا ہوں، تم میں کوئی عیب ہے یا کوئی خامی

ہے۔ یہ بات آج تک میرے ذہن میں نہیں آئی، لیکن تم نے مجھ میں کون سی بات دیکھی؟ نہ میرے پاس دولت ہے نہ علم ہے، نہ صورت، بتلاؤ تو پھر؟''

جالپا نے محبت آمیز نگاہوں سے دیکھ کر کہا۔ ''بتلا دوں؟ تم بہت نیک ہو۔ جب میں یہاں آئی تو کوئی بات کہتے یا کرتے مجھے خوف ہوتا تھا۔ تم اسے پسند کرو گے یا نہیں۔ اب مجھے اس بات کا یقین رہتا ہے کہ تم مجھ سے ناراض نہ ہوگے۔ اگر تمہارے عوض میری شادی کسی دوسرے آدمی سے ہوئی ہوتی، تو میں اس کے ساتھ بھی اسی طرح رہتی۔ یہ تو شوہر اور بیوی کا رواجی رشتہ ہے، لیکن کچھ دنوں کے بعد وہ رواجی رشتہ تبدیل ہو جاتا ہے۔ اب تو میں تمہیں گوپیوں کے کرشن سے بھی نہ بدلوں گی، لیکن تمہیں اب بھی مجھ پر اعتبار نہیں ہے۔''

رما نے سر نیچا کر کے کہا۔ ''تمہارا الزام بے جا ہے۔ جالپا میں دوستوں سے بھی کوئی پردہ نہیں رکھتا۔ پھر تم سے کیا پردہ رکھوں گا۔''

رما کے جی میں ایک بار پھر آیا کہ اپنی پریشانیوں کی سرگزشت کہہ سنائے، لیکن جھوٹی خودداری نے پھر اس کی زبان بند کر دی۔

جالپا اس سے پوچھتی صرافوں کو روپے دیئے جاتے ہو کہ نہیں، تو وہ برابر کہتا ہاں کچھ نہ کچھ ہر مہینے دیتا جاتا ہوں، لیکن آج رما کی فکرمندی نے اس کے دل میں ایک شبہ پیدا کر دیا تھا۔ وہ اسی شبہ کو مٹانا چاہتی تھی۔ ذرا دیر بعد اس نے پوچھا۔ ''صرافوں کو روپے تو ابھی روانہ ہوئے ہوں گے۔''

''اب تھوڑے ہی باقی ہیں۔''

''کتنے باقی ہوں گے، کچھ حساب کتاب لکھتے ہو؟''

''ہاں لکھتا کیوں نہیں، سات سو سے کچھ کم ہی ہوں گے۔''

''تم نے کہیں رتن کے روپے تو صرافوں کو نہیں دے دیئے؟''

رما کا دل کانپ رہا تھا۔ کہیں جالپا رتن کے روپوؤں کا ذکر نہ کر بیٹھے۔ آخر وہ وار اس کے سر پر آ ہی گیا۔

اس وقت بھی اگر رما نے ہمت کر کے سارا واقعہ بیان کر دیا ہوتا تو اس کی پریشانیوں کا خاتمہ ہو جاتا۔ جالپا ایک منٹ تک ضرور سکتے میں آ جاتی۔ ممکن ہے غصہ اور مایوسی کے عالم میں اس کی زبان سے دو چار کڑی باتیں بھی نکل جاتیں، لیکن پھر دونوں مل کر کوئی نہ کوئی راستہ نکال لیتے۔

اگر مجبوری کی حالت میں جالپا اپنی سہیلی سے یہ واقعہ بیان کر دیتی تو رتن وہ عورت نہ تھی، جو غم و غصہ کا اظہار کرتی، پر اس جھوٹی خودداری و پروری کا برا ہو۔

رما نے اس سوال پر ایسا منہ بنایا گویا جالپا نے اس پر کوئی بے رحمانہ حملہ کیا ہے۔ بولا

''رتن کے روپے کیوں دیتا؟ آج چاہوں تو دو چار ہزار کا مال لا سکتا ہوں۔ کاریگروں کی عادت دیر کرنے کی ہوتی ہی ہے۔ بس اور کوئی بات نہیں ہے۔ دس دن میں یا تو چیز ہی لا دوں گا یا روپیہ واپس کر دوں گا، مگر تم نے یہ سوال کیوں کیا؟ پرائی رقم بھلا میں اپنے خرچ میں کیسے لاتا؟''

جالپا نے معذرت کے لہجہ میں کہا۔ ''کچھ نہیں، میں نے یونہی پوچھا تھا۔''

جالپا کو تھوڑی دیر میں نیند آ گئی، لیکن رما پھر اسی ادھیڑ بن میں پڑا رہا۔ اگر وہ رمیش کو اپنا محرم راز بنا لیتا تو وہ کسی مہاجن سے روپوؤں کا انتظام کرا دیتے، لیکن وہ

ان پر کسی طرح اپنی پریشانیوں کا اظہار نہ کر سکتا تھا۔ اس نے صبح کو ناشتہ کر کے دفتر کی راہ لی۔ شاید وہاں کچھ انتظام ہو جائے، کیونکر انتظام کرے گا۔ اس کا اسے مطلق خیال نہ تھا، لیکن مایوسی کے عالم میں انسان کو کسی غیبی امداد کا گمان ہونے لگتا ہے۔ دفتر میں چپڑاسی کے سوا اور کوئی نہ تھا۔ رما دفتر کا رجسٹر کھول کر رقموں کی جانچ کرنے لگا۔ کئی دنوں سے میزان نہیں دیا گیا تھا، لیکن بڑے بابو کے دستخط موجود تھے۔ اب میزان دیا تو ڈھائی ہزار نکلے۔

یکا یک اسے ایک تدبیر سوجھی: ''کیوں نہ ڈھائی ہزار کے عوض میزان میں ڈھائی سو کر دے۔ ایک ہی صفر کا معاملہ ہے۔ رسید بہی کی جانچ پڑتال کون کرتا ہے۔ اگر چوری پکڑی بھی گئی تو کہہ دوں گا، میزان میں غلطی ہوئی۔''

مگر اس خیال کو اس نے دل میں جمنے نہ دیا۔

گاڑیوں کا سلسلہ شروع ہوا، مگر بیوپاریوں نے جب دیکھا کہ بابو صاحب آج موجود ہیں تو سوچا، جلدی سے چنگی دے کر فراغت پا لیں۔

رما نے اس عنایت کے لیے دستوری کی دگنی رقم وصول کی اور گاڑی والوں نے شوق سے دی، کیونکہ یہ بازار کا وقت تھا اور بارہ ایک بجے تک چنگی گھر سے فرصت پانے کی حالت میں چوبیس گھنٹے کا ہرج ہوتا تھا۔

اگر بازار روپے میں آدھ پاؤ بھی گر گیا تو سینکڑوں کے وارے نیارے ہو گئے۔ دس پانچ روپے بل کھانے میں انہیں کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ رما کو آج یہ نئی بات معلوم ہوئی۔ سوچا آخر صبح کو میں گھر پر ہی تو بیٹھا رہتا ہوں۔ اگر یہاں آ کر بیٹھ جاؤں تو روز دس پانچ روپے ہاتھ آ جائیں۔ پھر تو چھ مہینے میں سارا قرضہ

صاف ہو جائے۔ مانا روز یہ چاندی نہ ہوگی، پندرہ نہ سہی دس ملیں گے۔ اگر صبح کو روز پانچ روپے مل جائیں اور اتنے ہی دن بھر میں اور مل جائیں، تو پانچ چھ مہینے میں قرض سے سبکدوش ہو جاؤں۔ اس نے دراز کھول کر پھر رجسٹر نکالا، لیکن میزان لگا دینے کے بعد رجسٹر میں کسی قسم کا تغیر یا تبدل کرنا اسے اتنا خوفناک نہ معلوم ہوا۔ نیا رنگ روٹ جو پہلے بندوق کی آواز سے چونک پڑتا ہے، مشاق ہو جانے پر گولیوں کی بارش میں نہیں گھبراتا۔

رما دفتر بند کر کے گھر جانے ہی والا تھا کہ ایک بساطی کا ٹھیلہ آ پہنچا۔ رما نے کہا ''لوٹ کر چنگی لوں گا۔''

بساطی نے مٹھیں کرنی شروع کیں۔ اسے کوئی بہت ضروری کام تھا۔ آخر دس روپے پر معاملہ طے ہوا۔ رما نے چنگی ہی، روپے جیب میں رکھے اور گھر چلا۔ پچیس روپے محض دو گھنٹوں میں آ گئے۔ اگر ایک مہینہ بھی یہی اوسط رہے تو بیڑا پار ہے۔ اسے اتنی خوشی ہوئی کہ وہ کھانا کھانے گھر نہ گیا، بازار سے بھی کچھ نہ منگوایا۔ روپیہ بھناتے ہوئے اسے ایک روپیہ کم ہو جانے کا اندیشہ ہوا۔ وہ شام تک بیٹھا کام کرتا رہا۔ چار روپے اور وصول کیے۔ چراغ جلے جب وہ گھر چلا تو اس کے دل پر فکر اور مایوسی کا بوجھ بہت اتر چکا تھا۔ اگر دس دن یونہی تیزی رہی تو رتن سے منہ چھپانے کی نوبت نہ آئے گی۔

(17)

نو دن گزر گئے۔

رما روز علی الصبح دفتر جاتا اور چراغ جلے لوٹتا۔ وہ روز یہی امید کر کے جاتا تھا کہ

آج کوئی بڑا شکار پھنسے گا، مگر کبھی امید پوری نہ ہوئی۔ اتنا ہی نہیں کہ پہلے دن کی سی شاندار کامیابی پھر نہ ہوئی۔ تاہم اس کے لیے کچھ کم فخر کی بات نہ تھی کہ ان دنوں میں اس نے سو روپے جمع کر لیے تھے۔ جالپا نے کئی بار سیر کرنے کی خواہش ظاہر کی، لیکن رما نے اسے برابر باتوں میں ٹالا۔ بس کل کا دن اور تھا۔ کل رتن آ کر نگن مانگے گی تو وہ اسے کیا جواب دے گا۔ دفتر سے آ کر وہ اسی فکر میں بیٹھا ہوا تھا۔

کیا وہ ایک مہینے کی مہلت اور نہ دے گی۔ اتنے دن اور وہ خاموش رہے تو شاید رما اس کے قرض سے سبکدوش ہو جائے۔

ساون کے دن تھے، اندھیرا ہو چلا تھا۔ آسمان سیاہ چھتری کی طرح سر پر تنا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ رما سوچ رہا تھا کہ رمیش بابو کے پاس چل کر دو بازیاں کھیل آؤں، مگر بادلوں کو دیکھ دیکھ کر رک جاتا تھا۔ دفعتہً رتن آ پہنچی۔ اس کا چہرہ تندتھا۔ معلوم ہوتا تھا آج وہ لڑنے کے لیے تیار ہو کر آئی ہے اور منہ ملاحظہ اور مروت کے خیال کو بھی قریب نہیں آنے دینا چاہتی۔

جالپا نے اس کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا۔ ''تم خوب آئیں۔ میں ذرا تمہارے ساتھ گھوم آؤں گی۔ انہیں کام کے بوجھ سے آج کل سر اٹھانے کی بھی فرصت نہیں ہے۔''

رتن نے بے اعتنائی سے کہا۔ ''مجھے آج بہت جلد گھر واپس جانا ہے۔ بابو جی کو کل یاد دلانے آئی ہوں۔''

رما اس کا لٹکا ہوا منہ دیکھ کر دل میں سہم رہا تھا۔ کسی باتوں میں لگا کر خوش کرنا چاہتا تھا۔ بڑے تپاک سے بولا۔ ''جی ہاں خوب یاد ہے۔ ابھی صراف کی دکان

سے چلا آ رہا ہوں۔ روز صبح شام گھنٹہ بھر حاضری دیتا ہوں۔ مگر ان چیزوں کی تیاری میں وقت بہت صرف ہوتا ہے۔ دو آدمی لگے ہوئے ہیں۔ مگر ابھی شاید ایک مہینہ سے کم میں چیز تیار نہ ہو۔ ہاں ہو گی لاجواب۔ ان چیزوں میں دام تو کاریگری کے ہیں۔ مالیت چاہے کچھ ہو یا نہ ہو۔''

رتن ذرا بھی نہ پگھلی۔ تنک کر بولی۔ ''اچھا ابھی مہینہ بھر اور لگے گا۔ ایسے کیا موتی پرو رہا ہے کہ تین مہینہ میں بھی ایک چیز نہ بنی؟ آپ اس سے کہہ دیجئے میرے روپے واپس کر دے۔ امید کے کنگن دیویاں پہنتی ہوں گی، مجھے ضرورت نہیں۔''

رما: ''ایک مہینہ لگے گا۔ شاید اس سے پہلے ہی بن جائے۔ ایک مہینہ تو میں نے اندازاً کہہ دیا تھا۔ اب تھوڑی ہی کسر اور رہ گئی ہے۔ کئی دن تو نگینے تراش کرنے میں لگ گئے۔''

رتن: ''مجھے کنگن پہننا ہی نہیں صاحب! آپ میرے روپے واپس کر دیجیے۔ جوہری میں نے بھی بہت دیکھے ہیں۔ آپ کی عنایت سے اس وقت بھی تین جوڑے کنگن میرے پاس ہوں گے، لیکن ایسی دھاندلی کہیں نہیں دیکھی۔''

دھاندلی کے لفظ پر رما تلملا اٹھا۔ ''دھاندلی نہیں میری حماقت کہیے۔ مجھے کیا ضرورت تھی کہ مفت کی زحمت سر لیتا۔ میں نے تو پیشگی روپے اس لیے دیئے کہ صراف خوش ہو کر جلد تیار کر دے گا۔ اگر آپ روپے واپس مانگ رہی ہیں، مجھے امید نہیں کہ صراف روپے لوٹا دے۔''

رتن نے خشمگیں آنکھوں سے دیکھ کر کہا۔ ''روپے کیوں نہ لوٹا دے گا؟''

رما: ''اس لیے کہ جو چیز آپ کی فرمائش سے بنائی ہے، اسے وہ کہاں بیچتا پھرے گا۔ ممکن ہے اس کے بکنے میں دو سال لگ جائیں۔ ہر ایک کی پسند ایک سی نہیں ہوتی۔''

رتن نے تیوری چڑھا کر کہا۔ ''میں کچھ نہیں جانتی۔ اس نے وعدہ خلافی کی ہے۔ اس کا تاوان دے۔ مجھے کل یا تو کنگن لا دیجیے یا روپے۔ اگر صراف سے آپ کا یارانہ ہے اور آپ لحاظ و مروت کے باعث اس سے کچھ نہیں کہہ سکتے، تو مجھے اس کی دکان دکھا دیجیے۔ اس میں بھی آپ کو شرم آتی ہو تو اس کا نام بتا دیجیے۔ میں پتا لگا لوں گی۔ واہ، اچھی دل لگی ہے۔ وہ ہے کس خیال میں۔ دکان نیلام کرا لوں گی۔ جیل بھجوا دوں گی۔''

رما کھسیا کر زمین کی طرف تاکنے لگا۔ وہ کتنی منحوس ساعت تھی، جب اس نے رتن سے روپے لیے۔ بیٹھے بٹھائے دردِ سر خریدا۔

جالپا نے کہا۔ ''سچ تو یہ ہے کہ انہیں کیوں نہیں صراف کی دکان پر لے جاتے۔ چیز کو آنکھوں سے دیکھ کر انہیں تسلی ہو جائے گی۔''

رتن: ''میں وہ چیز پہننا ہی نہیں چاہتی۔''

رما: ''اچھی بات ہے، آپ کو روپے مل جائیں گے کل۔''

رتن: ''کل کس وقت؟''

رما: ''دفتر سے لوٹتے وقت لیتا آؤں گا۔''

رتن: ''روپے پورے لوں گی۔ ایسا نہ ہو سو روپے دے کر ٹال دے۔''

رما: ''کل آپ اپنے سب روپے لے جائیے گا۔''

یہ کہتا ہوا مردانے کمرے میں آیا اور رمیش بابو کے نام ایک رقعہ لکھ کر گوپی سے بولا:

''اسے رمیش بابو کے پاس لے جا کر فوراً جواب لاؤ۔''

پھر اس نے دوسرا رقعہ لکھ کر شمبر کو دیا کہ مانک داس کو دکھا کر جواب لا دے۔

شمبر نے آسمان کی طرف دیکھ کر کہا۔''پانی آ رہا ہے۔''

رما:''تو کیا ساری دنیا بہہ جائے گی۔دوڑتے ہوئے جاؤ۔''

''اور جو وہ گھر پر نہ ملیں؟''

''ملیں گے وہ اس وقت کہیں نہیں جاتے۔''

آج زندگی میں پہلا موقع تھا کہ اس نے دوستوں سے روپے قرض مانگے۔ منت وسماجت، خوشامد واصرار کے جتنے الفاظ اسے یاد آئے، وہ اس نے سب صرف کر دیئے۔ جیسے رقعے آج اس نے لکھے، ویسے ہی رقعے اس کے پاس کتنی بار آ چکے تھے۔ان رقعوں کو پڑھ کر اس کا دل کتنا بے قرار ہو جاتا تھا، پر مجبوری کے باعث اسے بہانے کرنے پڑتے تھے۔

کیا رمیش بھی بہانہ کر جائیں گے؟ وہ تہی دستی کا بہانہ نہیں کر سکتے۔کیا میرے ساتھ اتنا سلوک بھی نہ کریں گے؟ آدھ گھنٹہ ہو گیا اور اب تک دو میں سے ایک بھی نہیں آیا۔وہ دروازے پر ٹہلنے لگا۔اس اضطراب کی حالت میں بیٹھنا مشکل تھا۔

رتن کی موٹر اب تک کھڑی تھی۔اتنے میں رتن باہر آئی۔مگر اسے ٹہلتے دیکھ کر بھی کچھ نہ بولی۔موٹر روانہ ہو گئی۔

رما نے راستے کی طرف نگاہیں دوڑا کر سوچا، دونوں کہاں رہ گئے۔کہیں کھیلنے

لگے ہوں گے۔ شیطان تو ہیں ہی۔ کہیں رمیش روپے دے دیں تو چاندی ہے، میں نے دو سو ناحق مانگے۔ شاید اتنے روپے اس وقت ان کے پاس نہ ہوں۔ مانک چاہے تو ہزار پانچ سو دے سکتا ہے۔ آج دونوں کی آزمائش ہے۔

اگر آج انہوں نے انکار کیا تو دوستی کا خاتمہ ہے۔ کسی کا نوکر نہیں ہوں کہ جب وہ شطرنج کھیلنے کے لیے بلائیں تو دوڑا چلا جاؤں۔

بشمبر نے لوٹ کر مانک کا رقعہ دیا۔ ''میں آج کل بہت تنگ دست ہوں۔ میں تو تمہی سے مانگنے والا تھا۔''

رما نے پرزہ پھاڑ کر پھینک دیا۔ ''خودغرض کہیں کا۔ اگر کسی سب انسپکٹر نے روپے مانگے ہوتے تو پرزہ دیکھتے ہی لے کر دوڑتے جاتے۔ خیر دیکھا جائے گا۔ چنگی کے لیے مال تو آئے گا ہی۔ اس کی کسر نکل جائے گی۔''

اتنے میں گوپی بھی لوٹا۔ رمیش نے لکھا تھا۔ ''میں نے اپنی زندگی کے دو چار اصول بنا لیے ہیں اور ان کی بڑی سختی سے پابندی کرتا ہوں۔ ان میں سے ایک اصول یہ بھی ہے کہ دوستوں سے لین دین کا تعلق نہ پیدا کروں گا۔ ابھی تمہیں تجربہ نہیں ہوا ہے لیکن میں بھوگ چکا ہوں۔ تم میرے پیارے دوست ہو۔ میں نہیں چاہتا کہ میرے اور تمہارے ارتباط میں خلل پیدا ہو۔ اس لیے مجھے معاف کرو۔''

رما نے اس خط کو بھی پڑھ کر پھینک دیا اور کرسی پر بیٹھ کر چراغ کی طرف محویت کے عالم میں دیکھنے لگا۔ اس چراغ کی لو کے اندر رمیش اور مانک اور رتن تینوں بیٹھے نظر آتے تھے۔ پھر وہ چراغ اس کی آنکھوں سے غائب ہو گیا۔

دل کی حالت وہ بھی ہوتی ہے، جب آنکھیں کھلی ہوتی ہیں اور کچھ نظر نہیں آتا۔ جب کان کھلے ہوتے ہیں اور کچھ سنائی نہیں پڑتا۔

(18)

شام ہوگئی تھی۔ میونسپلٹی کے احاطے میں سناٹا چھا گیا تھا۔ عملہ ایک ایک کر کے جا رہا تھا۔ مہتر کمروں میں جھاڑو لگا رہا تھا۔ خوانچہ والے دن بھر کی بکری کے پیسے گن رہے تھے، مگر رمانا تھا اپنی کرسی پر بیٹھا ہوا رجسٹر لکھ رہا تھا۔

آج بھی وہ صبح ہی آیا تھا، مگر کوئی بڑا شکار نہ پھنسا۔ وہ سوچ رہا تھا، اب اپنی آبرو کیسے بچائے؟ آخر اس نے رتن کو جھانسہ دینے کی ٹھانی۔ وہ خوب جانتا تھا کہ رتن کی یہ بے صبری محض اس لیے ہے کہ وہ یہ سمجھتی ہے میں نے اس کے روپے خرچ کر ڈالے۔ اگر اسے معلوم ہو جائے کہ اس کے روپے عندالطلب مل سکتے ہیں، تو اسے تسکین ہو جائے گی۔ رما اسے روپے سے بھری تھیلی دکھا کر اس کا شبہ مٹا دینا چاہتا تھا۔ وہ خزانچی صاحب کے چلے جانے کی راہ دیکھ رہا تھا، اسی لیے آج اس نے دیر کی تھی۔ آج کی آمدنی کے ڈیڑھ سو روپے اس کے پاس تھے۔ اسے وہ اپنے گھر لے جانا چاہتا تھا۔ خزانچی صاحب ٹھیک پانچ بجے اٹھے۔ انہیں کیا غرض تھی کہ رما سے آج کی آمدنی طلب کرتے۔ روپے گننے ہی سے چھٹی نہ ملی۔ دن بھر روپے گنتے گنتے اور لکھتے لکھتے بیچارے کی کمر دکھ رہی تھی۔

رما کو جب معلوم ہو گیا کہ خزانچی صاحب دور نکل گئے تو اس نے رجسٹر بند کیا اور چپڑاسی سے بولا:

"تھیلی اٹھاؤ چل کر جمع کراؤ۔"

چپڑاسی نے کہا۔ ''خزانچی صاحب تو بہت دور چلے گئے۔''

رما نے آنکھیں پھاڑ کر کہا۔ ''خزانچی صاحب چلے گئے۔ تم نے مجھ سے کہا کیوں نہیں؟ ابھی کتنی دور گئے ہوں گے؟''

''سڑک کی نکڑ تک پہنچے ہوں گے۔''

''تو یہ آمدنی کیسے جمع ہوگی؟''

''حکم ہو تو بلا لاؤں؟''

رما نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔ 'اجی جاؤ بھی۔ اب تک تو کہا نہیں۔ اب انہیں آدھے راستے سے بلانے جاؤ گے۔ کیا آج زیادہ چھان گئے تھے۔ خیر روپے اسی دراز میں رکھ دو۔ تمہاری نگرانی رہے گی۔''

چپڑاسی نے ہاتھ باندھ کر کہا۔ ''نہیں بابو صاحب، میں یہاں روپے نہیں رکھنے دوں گا۔ سب دن برابر نہیں جاتے۔ کہیں روپے اٹھ جائیں تو میں بے گناہ مارا جاؤں۔''

رما نے پوچھا: ''تو پھر یہ روپے کہاں رکھوں؟''

چپڑاسی: ''حضور اپنے ساتھ لیتے جائیں۔''

رما تو یہ چاہتا ہی تھا۔ ایک یکہ منگوایا۔ اس پر روپوؤں کی تھیلی رکھی اور گھر چلا۔ سوچتا جاتا تھا، اگر رتن بھبکی میں آ گئی تو کیا پوچھنا۔

جالپا نے تھیلی دیکھ کر پوچھا۔ ''کیا کنگن نہ ملے؟''

''ابھی تیار نہ تھے۔ میں روپے اٹھا لایا۔''

''رتن بھی آتی ہوگی۔ اسے چین کہاں۔''

جب چراغ جلے تک رتن نہ آئی تو رما نے سمجھا اب نہ آئے گی۔ روپے الماری میں رکھے اور گھومنے چل دیا۔ مگر ابھی اسے گئے دس منٹ بھی نہ ہوئے ہوں گے کہ رتن آ پہنچی اور آتے ہی بولی۔ ''کنگن تو آ گئے ہوں گے؟''

جالپا نے تمسخر کے انداز میں کہا۔ ''ہاں آ گئے ہیں، پہن لو۔ بیچارے کئی دفعہ صراف کے پاس گئے۔ ظالم دیتا ہی نہیں۔ حیلے حوالے کرتا ہے۔''

رتن بے گمان ہو کر بولی۔ ''کیسا صراف ہے کہ اتنے دنوں سے حیلے حوالے کر رہا ہے۔ میں جانتی کہ روپے ایسے جھمیلے میں پڑ جائیں گے تو دیتی ہی کیوں۔ نہ روپے ملتے ہیں اور نہ کنگن ملتا ہے۔''

رتن نے یہ الفاظ کچھ ایسے دلدوز طریقے سے کہے کہ جالپا بپھر اٹھی۔ بولی:

''آپ کے روپے رکھے ہوئے ہیں۔ جب چاہے لے جایئے۔ اپنے بس کی بات ہے نہیں۔ آخر جب صراف دے گا تبھی تو لائیں گے۔''

''کچھ وعدہ کرتا ہے، کب تک دے گا؟''

''اس کے وعدوں کا کیا اعتبار؟ سینکڑوں وعدے تو کر چکا ہے!''

''تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ کنگن نہ بنائے گا۔''

''جو چاہے سمجھ لو۔''

''تو لاؤ روپے ہی دے دو، باز آئی میں ایسے کنگن سے۔''

جالپا جھمک کر اٹھی۔ الماری سے تھیلی نکالی اور رتن کے سامنے پٹک کر بولی۔

''آپ کے روپے رکھے ہیں لے جایئے۔''

فی الواقعہ رتن کی بے صبری کا وہی سبب تھا، جو رما نے سمجھا تھا۔ اسے گمان ہو رہا

تھا کہ ان لوگوں نے میرے روپے خرچ کر ڈالے۔ روپے سامنے دیکھ کر اس کے شکوک کا ازالہ ہو گیا۔ شرمندہ ہو کر بولی:

''اگر دو چار دن میں دینے کا وعدہ کرتا ہے تو روپے رہنے دو۔''

جالپا نے بے اعتنائی سے کہا۔ ''مجھے تو امید نہیں کہ اتنی جلدی دے۔ چیز تیار ہونے پر روپے مانگ لیے جائیں گے۔''

رتن نے بہت اصرار کیا کہ جالپا روپے رکھ لے، موقع پر روپے نہ مل سکے تو شرمندگی ہو، لیکن جالپا راضی نہ ہوئی۔ بولی:

''پرائی رقم گھر میں رکھنا خطرے کی بات ہے۔ کوئی گول مال ہو جائے تو مفت میں تاوان دینا پڑے۔ میری شادی کے چوتھے ہی دن میرے سارے گہنے چوری چلے گئے۔ ہم لوگ جاگتے ہی رہے، مگر نہ جانے کب آنکھ لگ گئی اور چوروں نے اپنا کام کر لیا۔ دس ہزار کی چپت پڑ گئی۔ کہیں وہی حادثہ پھر ہو جائے تو کہیں کے نہ رہیں۔''

رتن نے مایوس ہو کر روپے موٹر میں رکھے اور چلی گئی۔ جالپا خوش تھی کہ سر سے بوجھ ٹلا۔ رتن کو افسوس تھا کہ ناحق روپے واپس مانگے۔ کہیں لوگوں نے میری بدگمانی بھانپ نہ لی ہو۔

رمانو بجے گھوم کر لوٹا۔ جالپا اسے دیکھتے ہی بولی۔ ''رتن آئی تھی، میں نے اس کے سب روپے دے دیئے۔''

رما کے پیروں کے نیچے سے زمین کھسک گئی۔ آنکھیں پھیل کر پیشانی پر جا پہنچیں۔ گھبرا کر بولا۔ ''کیا کہا؟ رتن کے روپے دے دیئے، یہ تم سے کس نے کہا

تھا؟''

جالپا بولی۔ ''اسی کے روپے تو تم نے لا کر رکھے تھے، تم خود اس کا انتظار کرتے رہے۔ تمہارے جاتے ہی وہ آئی اور کنگن مانگنے لگی۔ میں نے جھلا کر اس کے روپے پھینک دیئے۔''

رما نے غصہ ضبط کر کے کہا۔ ''اس نے روپے مانگے تو نہ تھے؟''

جالپا: ''مانگے کیوں نہیں۔ ہاں جب میں نے دے دیئے تو البتہ کہنے لگی، اسے کیوں لوٹاتی ہو۔ میں نے کہہ دیا کہ ایسے شکی مزاج والوں کے روپے میں نہیں رکھتی۔''

رما کو ایسی تھکان معلوم ہوئی کہ اس سے کھڑا نہ رہا گیا، تو کل کے انداز سے بولا:

''ایشور کے لیے تم مجھ سے بغیر پوچھے ایسے کام مت کیا کرو۔''

جالپا یہ معمہ کیا سمجھے۔ بولی ''تو ابھی کیا ہوا۔ اس کے پاس جا کر روپے مانگ لاؤ۔''

رما چارپائی پر بیٹھ کر سر پر ہاتھ رکھے ہوئے صورت حال پر غور کرنے لگا۔ جالپا سے ناراض ہونا بے انصافی تھی۔ جب اس نے صاف کہہ دیا کہ یہ روپے رتن کے ہیں اور یہ اشارہ تک نہ کیا کہ مجھ سے پوچھے بغیر رتن کو مت دینا تو جالپا کی کوئی خطا نہیں۔ رتن سے کسی طرح روپے واپس لینے چاہئیں۔ جس وقت وہ یہاں آئی، کاش وہ خود موجود ہوتا، تو کتنی خوبصورتی سے ساری مشکل آسان ہو جاتی۔ آخر اس نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ آج رتن آئے گی نہیں۔ ایک دن گھومنے نہ جاتا، کون مرا

جاتا تھا۔

ضرور کوئی غیبی طاقت اس کی تباہی کے سامان جمع کر رہی ہے۔ دس منٹ کی غیر حاضری نے بنا بنایا کھیل بگاڑ دیا۔ وہ کہہ رہی تھی کہ روپے رکھ لیجیے۔ جالپا نے ذرا دانائی سے کام لیا ہوتا۔ نہیں! اس نے کوئی دانائی نہیں کی۔ اس کی جگہ رما خود وہی کرتا۔ سوال یہ ہے کہ رتن سے روپے واپس کیسے لیے جائیں؟ کیوں نہ رتن سے جا کر کہے کہ میں نے سنا ہے کہ آپ روپے لوٹانے سے ناراض ہوگئی ہیں۔ دراصل میں روپے آپ کو واپس دینے کو نہ لایا تھا۔ اس لیے مانگ لایا تھا کہ صراف خوب تندہی سے کام کرے۔

رما نے سوچا، شاید رتن شرمندہ ہو کر خود ہی معافی مانگے اور روپے دے دے۔ اس نے گھڑی پر نگاہ ڈالی تو ساڑھے آٹھ بجے تھے۔ اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ رتن ضرور گھر پر ہوگی۔ رما نے سائیکل اٹھائی اور اس سے ملنے چلا۔

رتن کے بنگلے پر آج بڑی بہار تھی۔ یہاں ہمیشہ ہی کوئی نہ کوئی دعوت، کوئی نہ کوئی جشن ہوتا رہتا۔ رتن کی طبیعت اس خلوت اور تنہائی سے تنگ آ کر ان دلچسپیوں کی طرف اسی طرح لپکتی تھی جیسے پیاسا پانی کی طرف لپکتا ہے۔ اس وقت وہاں بچوں کا جمگھٹ تھا۔ ایک آم کے درخت میں جھولا پڑا ہوا تھا۔ بجلی کی بتیاں جل رہی تھیں۔ بچے جھولا جھول رہے تھے اور رتن جھولا جھلا رہی تھی۔ ہو حق مچا ہوا تھا۔ وکیل صاحب اس موسم میں بھی اونی اوورکوٹ پہنے برآمدے میں بیٹھے سگار پی رہے تھے۔

رما کا جی چاہا کہ جھولے کے پاس جا کر رتن سے باتیں کرے، مگر وکیل کو